چاند تنہا نہیں

لبنیٰ غزل



شفو آپا تین سال بعد پاکستان واپس آرہی تھیں پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ان کی آمد کے تصور سے ہی سب نے اپنی اپنی امیدیں وابستہ کرلی تھیں۔ وہ کسی بھی دن آسکتی تھیں۔ انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع چند دن پہلے دی تھی لیکن وقت اور دن نہیں لکھا تھا۔ شاید وہ اچانک انہیں خوشی دینا چاہتی تھیں۔ امی جان گھر میں ہر وقت چھوٹے بچوں کو صفائی کا حکم دیتی رہتی تھیں۔ عرفی کو طرح طرح کی چیزیں منگانے کو بھیجتی تھیں۔ آپا جی کا کمرہ خود صاف کرکے آتی تھیں اور انہیں آتے جاتے صاف ستھرے کپڑے پہننے کی تاکید کرتی تھیں اور پھر سب گھر کے افراد مل کر ان کا انتظار کرنے لگے۔

"ارے سلمیٰ! رات کو مٹر پلاؤ پکا لینا۔ شفو کو بہت پسند ہے۔ پتہ نہیں پردیس میں کس قسم کا کھانا ملتا ہوگا۔" امی جان بہت بے صبری سے ان کا انتظار کررہی تھیں۔

"امی آپ روز ہی آپا کی پسند کی کوئی نہ کوئی چیز پکواتی ہیں اور روز ضائع چلی جاتی ہے۔" سلمیٰ نے اس روز تنگ آکر کہہ ہی دیا۔

"اور کیا امی آپا جانے کب آئیں گی۔ روز انتظار کرتے ہیں۔" بجمہ نے بھی ان کے انتظار سے اکتا کر کہا۔

"اسے سیٹ نہیں مل رہی ہوگی۔ بس اسی مہینے میں آجائے گی۔ تین چار دن تو رہ گئے ہیں اس مہینے کے ختم ہونے میں۔" امی جان کا اشتیاق بڑھ گیا تھا۔

"میں تو آج اپنے دوستوں کے ساتھ جارہا ہوں۔ آج آپ کے ساتھ بیٹھ کر انتظار نہیں کرسکتا۔" عرفی نے بھی جواب دیا۔

"ارے مجھے گلاب جامن لاکر دے جا کیا پتہ آج شفو آجائے۔" ان کی آنکھیں امید سے بھر گئیں اور دروازے کو تکنے لگیں۔

"امی آپ روز ہی کوئی نہ کوئی مٹھائی منگوا کر رکھتی ہیں۔ کیا فائدہ ہوتا ہے۔ اتنا پیسہ ہی ضائع ہوتا ہے۔" عرفی بولا۔

"بکو اس نہ کرو عرفی۔ پیسہ بھی تو اس کا ہے۔ تم ابھی اس قابل ہو کہ اس گھر کو سنبھال سکو؟ وہ اکیلی اس گھر کو سنبھال رہی ہے! اتنا پیسہ بھیجتی ہے تو کیا میں اس کے لیے اتنا بھی نہ کروں۔ تین سال بعد واپس آرہی ہے۔" امی نے عرفی کو ڈانٹ دیا تو وہ چپ ہوگیا۔ شاید اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ واقعی شفو آپا ان کے لیے بہت محنت کررہی ہیں۔

"عرفی بھیا آپ مٹھائی لے آئیں تو اچھا ہے۔ اگر آج بھی آپا نہیں آئیں تو ہم کھالیں گے۔ گلاب جامن تو مجھے بھی بہت پسند ہیں۔" سب سے چھوٹی سعدیہ نے کہا۔

"چپ رہو تم۔ اور جاکر اپنا ہوم ورک کرو!" سلمیٰ نے اسے اندر بھگا دیا۔ شفو آپا کے بعد وہی تو اس گھر کی بڑی تھی۔ چھوٹے بہن بھائیوں پر رعب ڈالا کرتی تھی۔

"امی سنا ہے جو کوئی باہر سے آتا ہے وہ بہت سی چیزیں لے کر آتا ہے۔" بجمہ کے دل میں نئی نئی چیزوں کا شوق جاگ اٹھا تھا۔ "ساتھ پڑوس کے عابد بھائی ایک سال لگا کر ہی آئے تھے تو انہوں نے اپنا گھر بھر دیا تھا۔" سلمیٰ کا بھی شوق بھڑکا۔

"میں نے تو آپا کو لکھا تھا وہ میرے لیے کیمرہ ضرور لے کر آئیں گی۔" عرفی کو اپنی فرمائش یاد آگئی۔

"اور میں نے بھی تو باتیں کرنے والی گڑیا کا لکھوایا تھا آپا کو۔" سعدیہ پھر کمرے سے نکل آئی۔

"امی آپا آپ کے لیے ساڑھیاں ضرور لائیں گی۔" سلمیٰ نے امی کے شوق کو بھی ہوا دی تو امی کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"میں نے تو آپا کو بس کپڑوں اور میک اپ کے سامان کے لیے لکھا تھا۔" بجمہ بولی۔

"میں نے ان سے کوئی فرمائش نہیں کی۔ جو وہ اپنی خوشی سے لائیں گی میں لے لوں گی۔" سلمیٰ نے نہایت سعادت مندی سے کہا۔

"اے سلمیٰ بیٹی! اس نے میری وہیل چیئر کے بارے میں بھی لکھا

شفو کو۔" ابا بھی اپنے کمرے سے بیساکھی کی کھٹ کھٹ کے ساتھ باہر آگئے۔

"کہہ دیا تھا نا ابا؟"

"اب ان بیساکھیوں میں بھی دم نہیں رہا۔ میری طرح یہ بھی کمزور اور بوڑھی ہو گئی ہیں۔" وہ ایک کونے میں بیساکھیاں رکھ کر تخت پر آبیٹھے تو امی ایک آہ بھر کر اٹھ گئیں۔

"بے چاری تین سال سے سب کے لئے پس رہی ہے۔" وہ اندر چلی گئیں تو سب ہی اپنے اپنے کاموں کے لئے بکھر گئے۔

سب ہی ہر گزرنے والے دن کے ساتھ اپنی اپنی امیدوں کو بھی سُلا دیتے تھے اور پھر نئے دن کے ساتھ ان کے سارے ارمان جاگ اٹھتے تھے۔ آج بھی وہ اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ امی جان کچھ بے چین ہو گئی تھیں۔ رات بھر انہیں ٹھیک طرح سے نیند بھی نہ آسکی۔

سب کی فرمائشیں ان کے کانوں میں اتر رہی تھیں۔ خوشی اور امیدوں سے جگمگاتے چہرے ان کی نگاہوں کے سامنے ناچتے رہے تھے۔

تو نے اپنے بہن بھائی کی خوشیوں کے لئے بہت بڑی قربانی دی ہے شفو! ان کی آنکھوں کے خوابوں کا بھرم رکھنے کے لئے تو نے اپنی نیند کو حرام کر لی ہے شفو۔ پتہ نہیں تو نے اپنے لئے بھی کچھ بنایا ہوگا یا نہیں۔ یہ خیال آتے ہی ان کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ان کے ایک ایک آنسو میں گزرے ہوئے وقت کی دھندلاہٹ موجود تھی۔

غربت کے مارے ہوئے اس گھر میں ایک عزت کے سوا شوکت صاحب کے پاس کچھ نہ تھا۔ ان کی زندگی بھر کی کمائی یہی ایک تین کمروں کا



مکان تھا۔ مکان تو بنا لیا تھا مگر ابھی اس کا قرض باقی تھا۔ نوکری بھی خاص نہ تھی کہ اچھی خاصی تنخواہ گھر میں آتی۔ اور اب تو انہیں ریٹائرمنٹ بھی ملنے والا تھا۔ گھر میں ان کے علاوہ پانچ بچے اور ایک بیوی تھی۔ اتنے بڑے گھرانے کے واحد کفیل وہ تھے۔ شفو سب سے بڑی تھی جسے انھوں نے بی اے کروا دیا تھا۔ شفو اور سلمیٰ کی عمروں میں دس سال کا فرق تھا جب شفو نے بی اے کیا سلمیٰ بہت چھوٹی تھی۔ ابھی تو اور تین چھوٹے بچے تھے جو مختصر وقفوں کے بعد اس دنیا میں آگئے تھے۔ گھر کے اخراجات اور مہنگائی کا مقابلہ ابا تنہا نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے شفو نے ابھی ذمے داری محسوس کرلی۔ ابا سے اجازت لینا ایک مشکل کام تھا مگر گھر کے حالات دیکھتے ہوئے انہیں اجازت دینا ہی پڑی۔

"بیٹی! تم اس گھر کی بڑی بہن ہو۔ میرے بعد تم ہی ہو۔ میں نے تو سوچا تھا کہ تمہیں جلد از جلد رخصت کرنے کی کوشش کروں گا۔ مگر مجھے معاف کر دینا۔ بیٹی میں ابھی یہ فرض ادا نہیں کر سکتا۔ تم تو اس گھر میں امانت ہو۔ دعا کرو بیٹی! خدا مجھ میں اتنی طاقت دے کہ اس امانت کی اچھی طرح حفاظت کر سکوں۔" ابا جی کا ہاتھ شفو آپا کے سر پر کانپ گیا اور آواز آنسوؤں کا بوجھ نہ سہار سکی۔

"ابا جی! میں اس گھر کا ستون ہوں۔ میں ہی اگر اس چھت کے سائے سے جدا ہو گئی تو دیواریں کہیں گر نہ جائیں۔ آپ نے اس گھر کو بڑی محنت سے بنایا ہے۔ میں آپ کی محنت رائیگاں نہ ہونے دوں گی۔" شفو آپا نے ان کے سارے آنسو سمیٹ لیے۔

"میں تمہیں خدا کی حفاظت میں دیتا ہوں بیٹی!" وہ منہ چھپا کر اندر چلے گئے۔ دوسرے دن وہ ایک مقامی اسکول میں پڑھانے جانے لگی تھی۔ ابا جی کی ریٹائرمنٹ کے دن قریب تھے۔ ان کی پنشن اتنی نہ تھی کہ گھر کے اخراجات پورے ہو سکتے۔ ان کی تنخواہ میں ہی مشکل سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ اب تو اتنے نفوس کا ساتھ تھا جن کی سانسوں کے لیے اب شفو آپا کو بھی جینا تھا۔

جس دن ابا جی ریٹائرمنٹ کا لیٹر ساتھ لے کر گھر آگئے گھر میں جیسے صف ماتم سی بچھ گئی تھی اور در و دیوار سے مفلسی سر جھانکنے لگی تھی... بے بسی چہروں سے جھلک رہی تھی۔ آنکھیں امیدوں سے خالی تھیں ان خواب اور شعور کو سونے والی آنکھوں میں آنسو آنے کو تھے کہ شفو آپا نے اپنا دامن پھیلا دیا۔

"میں تمہارے آنسو نہیں گرنے دوں گی۔ میں اپنا دامن پھیلا دوں گی۔ میں تمہاری آنکھوں کے خوابوں کو مرجھانے نہیں دوں گی۔" شفو آپا نے سلمیٰ، نجمہ اور عرفی کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

"بیٹی! مجھے معاف کر دینا۔" ابا جی بہت شرمندہ تھے۔

"ابا جی آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں..... ابھی میں زندہ ہوں۔ ان کی تسلیاں ہی سب کو زندہ رکھے ہوئے تھیں۔

امی جان بھی اس کے ساتھ محنت کر رہی تھیں۔ محلے بھر کے لوگوں کے کپڑے سیتی تھیں۔ شفو اسکول سے آنے کے بعد بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھاتی تھیں۔ ابا جی کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے تھے۔ یوں زندگی کی گاڑی پھر چل نکلی تھی۔ خدا نے ان کا رزق بند نہیں کیا تھا۔ بلکہ اور دروازے کھول دیے تھے۔ شفو نے ان میں سے کسی کے خواب مرجھانے نہیں دیے تھے۔ عرفی کو بڑا آدمی بنانے کا خواب اس کی آنکھوں میں مچل رہا تھا۔ اسی لیے وہ زیادہ محنت کر رہی تھی۔ خدا اس کی محنتوں کا صلہ بھی دے رہا تھا۔ عرفی ذہین تھا۔ ہر کلاس میں اول آتا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی۔ مگر لگتا تھا کہ ابھی اس کے امتحان اور باقی ہیں۔ آزمائشیں ختم نہیں ہوئی تھیں۔ ایک اور کاری ضرب لگی تھی۔

اس دن ابا اپنی پنشن کی رقم لے کر آ رہے تھے کہ راستے میں حادثے کا شکار ہو گئے۔ اور اس حادثے نے ان سب کی زندگی ہی تو ہلا کر رکھ دی تھی۔ ابا جی کی دونوں ٹانگیں اس حادثے میں ضائع ہو گئی تھیں۔ آپریشن کے لیے بہت بڑی رقم کی ضرورت تھی۔ گھر میں ایک قسم کی پھر مایوسی چھا گئی تھی۔ اس نے کتنی مشکل سے اس گھر کو آندھیوں کی نذر ہونے سے بچایا تھا۔

ابا جی کی دونوں ٹانگیں بری طرح متاثر ہوئی تھیں آپریشن کے ذریعے ٹانگیں کاٹ دینا ضروری تھیں۔ دوسری صورت میں ان کی زندگی کو خطرہ تھا۔

ابا جی اس گھر کی چھت تھے اور شفو کیسے اس چھت کو گرنے دیتی۔

امی نے اس کے لیے ایک سونے کا سیٹ محفوظ کر رکھا تھا۔ زندگی کے تلخ حالات کی نذر کچھ نہ کچھ زیور ہوتا رہا تھا۔ لیکن انھوں نے ایک سیٹ تو کسی نہ کسی طرح رکھ لیا تھا کہ شفو کے کام آئے گا لیکن وہ اب شفو کی امانت نہ رہا تھا۔

"امی! ابا کی زندگی زیادہ ضروری ہے۔ آپ وہ سیٹ بیچ دیں۔"

"بیٹی ہمارے پاس تو تیرے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ بس یہی ہے ایک امانت!" امی جان رو پڑیں۔

"امی ہماری زندگی بھی ابا جی کو لگ جائے۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ اب مجھے سلمیٰ اور نجمہ کے لیے سوچنا ہے۔ آپ وہ سیٹ بیچ دیں۔ خدا سلمیٰ اور نجمہ کی قسمت کی اچھی کرے۔ انہیں اور مل جائیں گے۔"

اس گھر کو بچانے کے لیے سائبان کے لیے ایک بار پھر شفو کو خوشیوں کی قربانی دینا پڑی اور اس کی آخری امانت بھی ختم ہو گئی۔ ابا جی کو نہیں بتایا گیا تھا لیکن وہ سمجھ گئے تھے۔

"بیٹی مجھے بچانے کے لیے تم کب تک اپنی خوشیاں بیچتی رہو گی!"

"ابا جی! آپ کی زندگی ہماری خوشیوں سے زیادہ قیمتی ہے آپ نے ساری عمر ہمیں پالا پوسا ہے۔ کیا ہم اتنا سا بھی نہیں کر سکتے۔ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ سلمیٰ اور نجمہ اپنے گھر کی ہو جائیں اور عرفی اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔ اگر میری قربانیوں سے سب کو خوشیاں مل جائیں گی تو میں آسانی سے مر سکوں گی۔" اس کی اتنی بڑی بات کے سامنے ابا جی خاموش ہو گئے تھے اور یوں بھی اب وہ بے بس تھے

امی جان نے بہت زور لگایا کہ وہ شادی کرے مگر اس کی "نا" "ہاں" میں نہ تبدیل ہوئی۔ وہ سلمیٰ کے لیے کوشش کر رہی تھی۔ اب تو اس کی اپنی عمر خوابوں کی دہلیز سے گزر رہی تھی۔ زمانے گزر چکے تھے اب آنکھیں صرف ایک ہی سپنا اوڑھ کر سویا کرتی تھیں۔ اب تو اس کی آنکھوں کے سارے مرجھائے ہوئے خوابوں کی راکھ میں کوئی چنگاری نہ سلگ رہی تھی اس لیے اس نے مکمل طور پر اپنا خیال چھوڑ کر سلمیٰ کے لیے سوچنا شروع کر دیا تھا۔

سلمیٰ کے لیے ایک دو رشتے آئے مگر اس گھر کی مفلسی دیکھ کر واپس لوٹ گئے۔ شفو کے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

"امی یہاں رہ کر تو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ آج کل تو لڑکیاں بھی باہر کے ملکوں میں جا کر ملازمت کر رہی ہیں۔ آپ مجھے اجازت دے دیں۔ پھر دیکھیے گا گھر کی حالت۔" شفو نے بہت امید کے ساتھ کہا۔

"مگر تم باہر جاؤ گی کیسے۔ اتنی رقم ہے تمہارے پاس؟" امی بھی گھر کے حالات سے شکست کھا گئی تھیں اس لیے شفو کو منع بھی نہ کر سکتی تھیں۔

"میری ایک سہیلی ہے۔ اس کے والد اثر و رسوخ والے آدمی ہیں۔ انھوں نے ہی مجھ سے بات کی ہے۔ سعودیہ میں کئی پاکستانی اسکول ہیں، وہاں کے لیے ٹیچروں کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے وہاں بھجوا دیں گے۔"

"تم اپنے ابا سے پوچھ لو!" امی تو بے بس ہو چکی تھیں۔ شفو نے ابا جی سے پوچھا تو وہ انکار نہ کر سکے اتنے بے بس تھے کہ اب ان کے اختیار میں تقدیر نے کوئی فیصلہ بھی نہ رکھا تھا۔ انھوں نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

اس کی سہیلی نگہت کے والد نے اس کا سارا کام کروا دیا تھا۔ کچھ رقم اس نے جمع کر رکھی تھی۔ کچھ اسکول کی نوکری چھوڑنے سے مل گئی۔ اور امی جان نے اپنی دو آخری چوڑیاں بھی بیچ دیں۔ یوں وہ اپنی سب کشتیاں جلا کر واپسی کے سارے راستے مسدود کر کے اپنی نئی منزل کی طرف چلی گئی۔ جہاں محنت بھی مگر محنت کا بھاری

سعاو ضہ بھی تو ملتا تھا۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ جاتے ہی اسے نوکری مل گئی۔ پاکستان سے تین گنا زیادہ تنخواہ تھی۔ اس نے پہلی تنخواہ میں سے تھوڑی سی رقم بچا کر باقی سب امی کے نام بھیج دی۔
اور یوں تین سال سے وہ اچھی خاصی رقم بھیج رہی تھی۔ گھر کے حالات اس کے خطوط سے پتہ چلتے رہتے تھے۔ سلمیٰ کا رشتہ پہلے اس لیے ٹوٹ جاتا تھا کہ گھر میں غربت تھی۔ اب گھر کے حالات بہتر ہوئے تو اس کی منگنی اچھی جگہ ہو گئی۔ اب عنقریب شادی بھی ہونے والی تھی۔ نجمہ کا بھی رشتہ طے ہو چکا تھا۔ جب وہ گئی تھی تو عرفی انجینئرنگ کے پہلے سال میں تھا۔ اب وہ آخری سال میں تھا۔ اس کی ساری محنت وصول ہو گئی تھی۔ سب اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔
"سب کو منزل پر لا کر تم خود بھٹک رہی ہو شفو۔ اب آ گئی تو میں جانے نہ دوں گی!" آنکھوں آنکھوں میں رات کاٹ کر شفو آپا کو یاد کر کے امی بہت دکھی ہو گئی تھیں۔
دوسری صبح بھی وہ بہت اداس تھیں۔ اس گھر کے لیے شفو کی قربانیاں یاد کر کے وہ بہت بے چین ہو گئی تھیں۔
شام تک انھوں نے بڑی مشکل سے وقت گزارا تھا۔ عجیب طرح کی ایک بے قراری ان کے وجود میں اتر رہی تھی۔
اور پھر
اس بے قراری کا جواب بھی انہیں مل گیا۔
صبح سے دروازے پر جس دستک کا وہ انتظار کر رہی تھیں آخر کسی نے وہ دستک دے ہی ڈالی۔ اتفاق سے سب ہی گھر پر تھے۔
"ارے عرفی دیکھو تو کون آیا ہے۔ کہیں شفو نہ ہو۔ آج صبح سے میرا دل بہت بے چین ہے۔" امی نے عرفی کو آواز لگائی تو عرفی دوڑ کر دروازہ کھولنے بھاگا۔
اور دروازہ کھولتے ہی ان سب کے ارمان جاگ اٹھے۔
"ارے شفو آپا!" وہ ایک تیز آواز کے ساتھ ان سے لپٹ گیا۔
"امی! شفو آپا آئی ہیں۔" وہ وہیں سے چلایا۔
"ارے شفو آپا!" سب ہی چیخے۔
"شفو بیٹی!" امی بھی تیزی سے بھاگیں۔
"ارے میری شفو بیٹی آگئی ہے۔ کوئی مجھے بھی تو لیکر جائے!" ابا جی بیساکھیوں کو سنبھالتے ڈگمگاتے باہر آ گئے۔
سب کے جھرمٹ میں شفو آپا اندر آ گئیں۔ ان تین سالوں میں وہ بہت کمزور سی لگ رہی تھیں۔ مگر گھر آنے کی خوشی میں وہ خاصی تازہ لگ رہی تھیں۔ سب کے چہروں پر رستی خوشیاں دیکھ کر انہیں کتنا اطمینان ہوا تھا۔ امی تو انہیں لپٹا کر بلائیں لے رہی تھیں۔ سلمیٰ، نجمہ اور سعدیہ ان کے دائیں بائیں چپکی جا رہی تھیں۔ عرفی ان کا سامان اندر لایا تھا۔ بڑے بڑے اٹیچی کیس تھے اور کئی کارٹن۔
"ابا جی!" ابا جی کو بیساکھی کے سہارے آتے دیکھ کر ان کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ تیزی سے لپکیں اور انہیں تھام لیا۔
"میں نے آپ کے لیے وہیل چیئر بک کروائی ہے۔ چند دنوں میں پہنچنے والی ہے!"
"بیٹی! تم آرام کر لو پھر باتیں کرنا۔" امی نے فوراً ہی اپنی ممتا اس کے لیے نچھاور کر دی۔
"امی آپ سب کے چہرے دیکھ کر ہی میری تھکن دور ہو گئی ہے۔ میں تو آپ لوگوں سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں آپ لوگوں کو سب کچھ دکھانا چاہتی ہوں!" اس نے ایک اٹیچی کیس اپنی طرف گھسیٹا۔
"بیٹی پہلے اپنا گھر تو دیکھ لو جس پر تم نے اتنی محنت کی ہے۔" ابا جی بولے تو اسے احساس ہوا کہ ان لوگوں کے چہرے بتا رہے ہیں کہ گھر کی حالت کتنی اچھی ہے پھر بھی ان کی خوشی کے لیے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ گھر کی حالت واقعی بدل چکی تھی۔ دیواروں پر نیا رنگ و روغن تھا۔ خوبصورت سینریاں اور تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں چند پرانی کرسیاں غائب تھیں اور دریاں، نیا صوفہ سیٹ اور ایک چھوٹا سا قالین بچھا ہوا تھا۔ خوبصورت پردے لٹک رہے تھے۔ ڈیکوریشن پیس۔ سب ہی چیزوں سے لگ رہا تھا کہ ان کی مالی حالت اچھی ہو گئی ہے۔ دوسرے دونوں کمروں میں بھی نئے بیڈ لگے تھے۔ سعدیہ، نجمہ اور سلمیٰ کے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل اور الماری بھی نئی تھی۔
"میں تمہارے لیے بہت سا میک اپ کا سامان لائی ہوں نجمہ!" اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر چند کیوٹکس اور لپ اسٹک رکھ کر کہا۔
"ہاں آپا وہ سارا سامان میں اس پر سجا دوں گی!" نجمہ خوش ہو کر بولی۔
سارے گھر کا جائزہ لے کر وہ پھر آ گئی۔ آنگن میں بہت سے گملے رکھے تھے جن میں بہار آئی ہوئی تھی۔
"تم لوگوں نے گھر کی حالت تو بہت اچھی کر لی ہے!"
"یہ سب آپ کی محنتوں کا نتیجہ ہے آپا۔ بس آپ باہر نہیں جائیں گی!"
"نہیں عرفی اب میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ مجھے تو جانا ہے۔" وہ بولی۔
"ارے ابھی آئی ہو اور ابھی جانے کا نام لے رہی ہو؟" امی نے شکوہ کیا۔

"امی فکر نہ کریں۔ سلمیٰ کی شادی میں شرکت کر کے جاؤں گی۔" اس نے اطمینان دلایا۔

"آپا آپ میرے لئے کیمرہ لائی ہیں نا؟" عرفی اپنے مطلب کی بات پر آگیا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں!" اس نے اپنا بیگ کھولا۔ پھر آہستہ آہستہ سب چیزیں کھول کر دکھائیں۔

"ابا جی یہ آپ کے لئے قمیض اور سوٹ کا کپڑا ہے۔ اب جلدی سے سلوا لیجئے گا۔ امی آپ کے لئے ساڑھیاں ہیں۔ اس بیگ میں نجمہ، سلمیٰ اور سعدیہ کے لئے کپڑے ہیں۔ بے شمار چیزیں ہیں سلمیٰ کے سسرال والے کیا یاد کریں گے۔ سارا باہر کا جہیز ہے۔" اس نے خوش ہو کر بتایا۔

"آپا آپ رنگین ٹی وی بھی لائی ہیں نا!" عرفی نے پاس پڑے کارٹن کو گھورا۔

"ہاں رنگین ٹی وی اور واشنگ مشین تو میں ساتھ لے آئی ہوں۔ ٹیپ ریکارڈر بھی ساتھ ہی ہے۔ باقی فرج، اوون اور آپ کی وہیل چیئر میں نے بک کروالی ہے۔ بس وہ بھی چند دنوں میں پہنچ جائیں گے۔"

"ڈیوٹی تو بہت لگی ہو گی!" ابا جی نے فکر مند ہو کر کہا۔

"میں ساری ڈیوٹی ادا کر کے آئی ہوں۔ یہ چیزیں بار بار تھوڑی آتی ہیں۔"

"واقعی بیٹی تم نے بہت ہمت کی ہے۔"

"بیٹی تم نے پہلے کیوں نہ لکھ دیا کہ آج آ رہی ہو۔ اکیلی ایئرپورٹ پر اتنے سامان کے ساتھ پریشان ہوئی پھریں۔ عرفی تمہیں لینے چلا جاتا۔"

"امی! اگر میں پہلے بتاتی تو اتنی خوشی نہ ہوتی۔ آج اچانک آئی ہوں تو آپ سب کو خوش دیکھ کر مجھے سارے جہان کی نعمت مل گئی ہے۔"

"ہاں بیٹا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تم سب کے لئے اتنی چیزیں لائی ہو۔ اپنے لئے بھی کچھ لائی ہو یا نہیں؟" امی نے پوچھا۔

"اپنے لئے!" وہ چونکی

"ہاں بیٹی اپنے لئے کیا لائی ہو؟" ابا نے بھی اصرار کیا۔

"اپنے لئے جو میں لائی ہوں وہ شاید دنیا سے خریدی نہیں جاتی۔" وہ اٹھ کر باہر گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد واپس لوٹی تو اس کی گود میں ایک خوبصورت صحت مند بچہ تھا۔

"اپنے لئے میں یہ لائی ہوں!" اس نے اس خوبصورت بچے کو امی کی طرف اچھالا۔

"شگفتہ!" آج برسوں بعد ابا جی کی آواز میں گرج آئی تھی۔

"بیٹی یہ کون ہے۔ کس کا بچہ ہے!" امی کے ہاتھ کانپ گئے۔

"یہ میرا بچہ ہے امی!" شگفتہ آپا نے بغیر کسی جھجک کے کہا تو ابا جی سے نہ رہا گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھنے لگے۔ مگر اٹھنے کی کوشش میں گر گئے۔ عرفی نے جلدی سے انہیں سنبھالا۔ آج انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ معذور ہو گئے ہیں۔

"کون ہے اس کا باپ؟" امی جان کی شفقتوں میں ڈوبی آواز ایک دم تلخی میں بدل گئی۔

"اندر آ جائیں عامر!" اس نے زور سے آواز دی تو ایک پختہ عمر کا شخص اندر آ گیا۔ شگفتہ آپا اس سے لاکھ درجہ بہتر تھیں۔ سب ہی کو بہت افسوس ہوا۔

"آداب امی جان!" عامر صاحب امی کے آگے جھکے تو امی کا ہاتھ عامر کے سر پہ کانپ گیا۔

"شگفتہ!" وہ رو رہی تھیں۔

"امی مجھے معاف کر دیجئے گا میں نے وہاں شادی کر لی ہے آپ لوگوں کو بتائے بغیر۔ مگر میں مجبور تھی پردیس میں عورت تنہا نہیں رہ سکتی۔ اس لئے مجھے یہ سہارا تلاش کرنا پڑا!"

شگفتہ آپا بے بسی کا اشتہار لگ رہی تھیں۔ ابا جی کچھ نہ بولے انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے اپنی ٹانگوں کے ساتھ ساتھ وہ زبان سے بھی معذور ہو گئے ہیں۔ اور امی جان یہ سوچ کر خاموش تھیں کہ پردیس میں پیسے کے ساتھ ساتھ بر بھی مل جاتے ہیں۔

*